بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ   وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

مدیر: مقصود الحق
نائب مدیر: مبارک احمد صدیقی
منیجر: سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ
53, Melrose Road, London, SW18 1LX
فون: 020 8877 5510 فیکس: 020 8877 9987
ای میل: ticassociation@gmail.com

اگست 2012ء
جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 8

فرمان الٰہی

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ○

ترجمہ: اور تمہارے رب نے کہا مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے اپنے تئیں بالاتر سمجھتے ہیں ضرور جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (المؤمن: 61)

قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡ لَا دُعَآؤُکُمۡ ۚ فَقَدۡ کَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ لِزَامًا ﴿۷۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرتا۔ پس تم اُسے جھٹلا چکے ہو سو ضرور اس کا وبال تم سے چمٹ جانے والا ہے۔ (الفرقان: 78)

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ (النمل: 63)

ترجمہ: یا (پھر) وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کے وارث بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت کم ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔ (البقرہ: 187)

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ تعالیٰ بڑا حیا والا، بڑا کریم اور سخی ہے۔ جب بندہ اس کے حضور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو خالی اور ناکام واپس کرنے سے شرماتا ہے۔ یعنی صدق دل سے مانگی ہوئی دعا کو وہ رد نہیں کرتا بلکہ قبول فرماتا ہے۔ (ترمذی کتاب الدعوات الحدیقہ الصالحین صفحہ 136)

انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے۔ اس لئے سجدے میں بہت دعا کیا کرو۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ از حدیقۃ الصالحین صفحہ 135)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

”وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صلی وسلم وبارك علیه واله بعدد همه وغمه وحزنه لهذه الامة وانزل علیه انوار رحمتك الی الابد“۔ (روحانی خزائن جلد 6 برکات الدعا صفحہ 11-12)

خلافت سے فیض پانے کی شرط

سیدنا و امامنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”تمکنت حاصل کرنے اور نظام خلافت سے فیض پانے کیلئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ نماز قائم کرو۔ کیونکہ عبادت اور نماز ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والی ہوگی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس انعام کے بعد اگر تم میرے شکر گزار بنتے ہوئے میری عبادت کی طرف توجہ نہیں دو گے تو نافرمانوں میں سے ہو گے۔ پھر شکر گزاری نہیں ناشکر گزاری ہوگی اور نافرمانوں کیلئے خلافت کا وعدہ کا نہیں ہے بلکہ مومنوں کیلئے ہے۔ پس یہ انتباہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو اپنی نمازوں کی طرف توجہ نہیں دیتا کہ نظام خلافت کے فیض تم تک نہیں پہنچیں گے۔ اگر نظام خلافت سے فیض پانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرو کہ یعبدوننی یعنی میری عبادت کرو۔ اس پر عمل کرنا ہوگا۔ پس ہر احمدی کو یہ بات اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لینی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا جو خلافت کی صورت میں جاری ہے، تب فائدہ اُٹھا سکیں گے جب اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔“ (خطبات مسرور جلد 5 صفحہ 151)

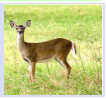
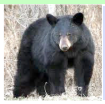

تقویٰ کی باریک راہیں

حضرت مصلح موعودؓ ایک بار کشمیر تشریف لے گئے ریچھ کے شکار کا لائسنس لیا ہوا تھا۔ جب شکار کیلئے ایک پہاڑی جنگ میں داخل ہوئے تو ایک مشک والا ہرن ہانکے سے نکلا اور سامنے کھڑا ہوگیا۔ رائفل حضورؓ کے کندھے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ہمراہی بیقرار تھے کہ ایسا عجیب نایاب شکار سامنے کھڑا ہے۔ پھر وہ ہرن بھاگ گیا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ اس کا خاص لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس پر فائر کرنا جائز نہ تھا۔ گھر واپس آکر بعض کہنے لگے کہ اگر ایسی احتیاطیں کرنے لگیں تو بس شکار ہو چکا۔ اُن بیچاروں کو معلوم نہ تھا کہ اگر ایسی احتیاطیں نہ کی جائیں تو بس تقویٰ ہو چکا۔

میرے ایک بزرگ کے پاس رفتہ رفتہ نوے کے قریب کھوٹے روپے جمع ہوگئے۔ جن میں سے کچھ تو بالکل ناکارہ تھے اور کچھ ایسے تھے جن کا ایک حصہ چاندی کی وجہ سے قابل فروخت تھا۔ انہوں نے ناکارہ تالاب میں پھنکوا دیئے اور دوسرے سنار کے پاس فروخت کیلئے ایک شخص کو یہ کہہ کر بھجوا دیئے کہ اُنہیں سنار سے اپنے سامنے کٹوا دے۔ سنار نے جب خریدے تو اُس شخص نے اُن سکوں کو کاٹنے کا مطالبہ کیا لیکن سنار نے کہا کہ یہ میں نے خریدے ہیں اب انہیں جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ آخر بحث کے بعد سنار نے کہا کہ اگر اتنے پیسے مزید کم کردو تو پھر کاٹوں گا۔ وہ شخص مان گیا اور سنار کو اُتنی رقم واپس کر کے اپنے سامنے سکّے کٹوا دیئے۔ دراصل ناکارہ سکے چلانے والے اور دھوکہ دینے والے خدا کو اندھا سمجھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) جو خدا کو اندھا سمجھے وہ اُس سے روحانی فیض کیونکر حاصل کرسکتا ہے؟

(روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 10 اکتوبر 2009ء حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کے ایک مضمون سے ماخوذ)

65 برس کی عمر میں حفظ قرآن

حضرت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ رئیس کھیوا باجوہ سیالکوٹ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مرتبہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت ارشاد فرمائیں۔ حضورؓ نے فرمایا:

''مولوی صاحب (میں) نہیں سمجھتا کہ کوئی چیز کرنے کی ہو اور آپ کر نہ چکے ہوں۔ اب تو حفظ قرآن ہی باقی ہے''۔

چنانچہ اُنہوں نے قریباً 65 سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا اور باوجود اتنی عمر کے حافظِ قرآن ہوگئے۔ (الفضل قادیان ۱۹ اپریل ۱۹۴۷)

بمنزلہ دودھ

نائیجیریا جانے والے دوسرے احمدی مبلغ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے درج ذیل ہدایات لکھ کر دیں:

''دینی لٹریچر سے آگاہ رہنے کی ہمیشہ کوشش کرو۔ قرآن کریم کے متعلق تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو مومن کی جان ہے۔ مگر حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان سے غافل نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی اخبار قادیان کا جس میں مرکز اور سلسلہ کے حالات ہوں ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہئے کہ یہ ایمان کو تازہ کرتا ہے.....

اور پھر خلفاء کے اعلانات اور ان کی کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی مرضی کو ظاہر کرتا ہے اور انسان کیلئے ان کا کلام بمنزلہ دودھ کے ہوتا ہے۔'' (الفضل 30 جنوری 1922ء صفحہ 4)

المنار نیوز لائن

مکرم خلیل احمد خان صاحب مرحوم

مکرم خلیل احمد خان صاحب برطانیہ میں تعلیم الاسلام کالج کے قدیم ترین طلباء میں سے تھے۔ آپ 1928 میں پیدا ہوئے۔ تعلیم الاسلام کالج کے ازسرِنو اجراء (جو 1944 میں ہوا) سے لیکر پارٹیشن تک تعلیم الاسلام کالج قادیان میں زیر تعلیم رہے۔ بعد ازاں انجینیئرنگ کی تعلیم ڈھاکہ میں حاصل کی۔ آپ کے والد محمد خواص خان صاحبؓ کو اوائل خلافت ثانیہ میں بیعت کرکے جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ اپنے والد محترم کے ہمراہ آبائی علاقے صوبہ سرحد سے جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے باقاعدگی سے قادیان آیا کرتے تھے۔ 1944 میں پشاور سے میٹرک کرنے کے بعد کالج کی تعلیم کے لئے قادیان آئے اور اس دوران وقفِ زندگی اور نظام وصیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔ آپ انجینیئرنگ کے شعبے سے وابستہ تھے اور بطور ایکسیئن ریٹائر ہوئے۔ 1972 سے 1979 تک لیبیا میں بھی رہے۔ بعد ازاں 2002 میں انگلستان آگئے جہاں 19 جولائی 2012 کو 86 سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی۔

آپ کے نانا مکرم مرزا میر احمد صاحبؓ اور نانا کے بھائی مکرم مرزا اکبر احمد صاحبؓ (ہوتی مردان) دونوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ کی شادی قاضی محمد یوسف صاحب (جو ایک لمبا عرصہ امیر جماعت صوبہ سرحد رہے) کے ہاں ہوئی۔ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم (آف یارک شائر) اور مکرم ڈاکٹر بشیر احمد خان صاحب (لنڈن) آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مکرم ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب آپ کے بھانجے اور مکرم بشیر احمد خان رفیق صاحب (سابق امام مسجد لنڈن) آپ کی اہلیہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے، مغفرت کی رِدا میں ڈھانپ لے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم عبدالسمیع صاحب مرحوم

مکرم عبدالسمیع صاحب ابن مکرم چوہدری نعمت علی صاحب مرحوم 1947 میں جڑانوالہ میں پیدا ہوئے۔ 1963 میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مکرم عبدالصمد صاحب اور مکرم عبدالرؤف صاحب بھی تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں زیر تعلیم رہے ہیں۔

جبکہ سب سے بڑے بھائی مکرم چوہدری عبدالرب صاحب مرحوم لیّہ میں وکالت کے پیشے سے منسلک تھے۔ مکرم منیر احمد چوہدری صاحب (آف BlueLine ٹریولز جرمنی) آپ کے برادرِ نسبتی ہیں۔ مکرم عبدالسمیع صاحب 1975 سے جرمنی میں مقیم تھے۔ جہاں آپ مشہور جرمن وکیل K.E.WENTE کے ساتھ ایک لمبا عرصہ منسلک رہے۔ 2005 میں انگلستان منتقل ہوگئے۔ جہاں 7 جون 2012 کو بعمر 64 سال وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی۔ تدفین مورڈن (لنڈن) کے احمدیہ قبرستان میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

کچھ یادرہا کچھ بھول گئے

(مرزا عبدالرحیم انور۔لندن)

ٹی آئی کالج کی یادوں میں کھویا ہوا دو قابلِ احترام ہستیوں کا ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے مجھے لکھنے لکھانے پر آمادہ کیا۔وگرنہ میری افتادِ طبع شاید اس طرف کبھی مائل نہ ہوتی۔ان میں سے ایک مکرم مولانا عطاء الکریم شاہد صاحب ہیں جو ہمارے شہر اٹک میں مربی ٔسلسلہ رہے۔دوسرے میرے چچازاد مرزا محمود احمد مرحوم جو جرمنی میں تعلیم الاسلام کالج کی ویب سائٹ کے روحِ رواں ہوا کرتے تھے۔وہ اکثر مجھ سے کالج کی یادیں تحریر میں لانے کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔چنانچہ میں کالج سے وابستہ ان یادوں کو انہی کے نام مُعَنْوَن کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ:

اس بستی میں، اس کالج میں ✿ ہم نے بھی گزارے تھے کچھ دن
یادوں کے جھروکوں سے دیکھا ✿ تو کتنے پیارے تھے کچھ دن
بچھڑے ہوئے راہی پھر پائے ✿ جو ساتھ ہمارے تھے کچھ دن

میں ساتویں جماعت پاس کر کے P.A.F سکول لوئر ٹوپہ کے لئے سیلیکٹ ہو گیا اور سکول کی تعلیم وہیں حاصل کی۔میٹرک کا امتحان میری ہمشیرہ نے بھی اسی سال کیمبل پُور کے گرلز سکول سے دیا جس سال میں نے دیا۔امتحان دینے کے بعد ہم دونوں ربوہ آ گئے اور اپنی چھوٹی دادی (والدہ مکرم مرزا نصیر احمد صاحب ؒ چِٹّھی مسیح) کے ساتھ امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کرانے کی غرض سے حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب ؓ کے گھر گئے۔آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ہمارے آنے پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور ہم دونوں کو سامنے چارپائی پر بیٹھنے کو کہا۔ابا جان اور دادا جان کا حال دریافت کیا اور پھر فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ اور میرے ساتھ دعا میں شامل ہو جاؤ۔ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ آپ نے آمین کہہ کر دعا ختم کر دی۔اپنی اُس وقت کی عمر میں ہمیں یہ تو علم تھا کہ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے صحابی ہیں مگر آپ کے تعلق باللہ کا پورا شعور نہ تھا۔آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم تو پاس ہو جاؤ گے مگر تمہاری بہن اگلے سال پاس ہو گی۔یہ سُن کر ہم ان کے کمرے سے نکلے تو میرے دانت تو خوشی سے باہر نکلے ہوئے تھے مگر میری آپا بیچاری رو رہی تھیں۔

چنانچہ جب ہم کیمبل پور واپس گئے تو میٹرک کے رزلٹ سے مہینہ بھر پہلے ہی میں نے ہر طرف اپنے پاس ہو جانے کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔چنانچہ جب رزلٹ آیا تو بعینہ وہی ہوا جیسا حضرت مولانا راجیکی صاحب ؓ نے دعا کے بعد فرمایا تھا۔

میٹرک میں کامیابی کے بعد کالج کی تعلیم شروع ہونی تھی۔نہ صرف گھر والوں کی بلکہ میری اپنی بھی یہی خواہش تھی کہ ربوہ جا کر اپنے (تعلیم الاسلام) کالج میں داخلہ لیا جائے۔چنانچہ بوریا بستر ا باندھا اور ٹِین کا بنا ہوا صندوق لئے اپنے گھریلو نوکر کے ہمراہ میں چناب ایکسپریس کے ذریعے ربوہ پہنچ گیا۔کالج میں داخلے اور ہوسٹل میں رہائش کا انتظام ابا جان کے قادیان کے قدیمی دوست مکرم مولانا احمد خان نسیم صاحب نے پہلے سے کر دیا ہوا تھا۔فجز اہ اللہ احسن الجزا۔اسٹیشن پر پروازی بھائی جان لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔میں نے ایک دو روز ان کے گھر گزارے۔پھر انہوں نے سائیکل پر میرا صندوق رکھا اور ہم پیدل کالج کی طرف روانہ ہو گئے۔یہ 1960 کی بات ہے ربوہ کی سڑکیں کچی تھیں اور جگہ جگہ کلّر۔چلتے ہوئے پاؤں مٹی میں دب جایا کرتے تھے۔خیر کالج کے ہوسٹل پہنچے جہاں مکرم چوہدری محمد علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ہوسٹل کے کمرہ نمبر 31 میں جگہ ملی۔اپنا صندوق وہاں رکھا اور پھر دوسرا چکر لگایا اور اپنا بستر بند بھی ہوسٹل میں لے آیا۔تو یہ تھی میرے کالج کی ابتداء۔

ان دنوں ہوسٹل کی دوسری منزل بھی تیار ہو چکی تھی اور ہوسٹل سارا ہی قریباً بھر چکا تھا۔ایک کمرے میں دو، دو لڑکے اور بعض میں تین بھی تھے۔دوسری منزل پر اکثر سینیئر طلبا تھے جو سیکنڈ ایئر یا فورتھ ایئر میں تھے۔ہم فرسٹ ایئر والے تو بیشتر گراؤنڈ فلور کے کمروں میں ہی رہتے تھے۔ایک طرف کچن تھا اور دوسری جانب مسجد کے لئے جگہ مختص تھی۔جہاں تہجد اور فرض نمازیں باجماعت ہوا کرتی تھیں۔مجھے یاد ہے کہ ایک دو دفعہ مجھے بھی امامت کرانے کا موقعہ ملا۔ہوسٹل کی اوپر والی منزل میں ٹیبل ٹینس کھیلنے کی سہولت موجود تھی جس کے لئے ہم اپنی باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔کالج کا ہال بن چکا تھا اور چھت پڑ چکی تھی البتہ لیبارٹری کے کمرے ابھی تیار ہو رہے تھے۔قصّہ مختصر کیا کیا یاد کریں کہ:

"سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے"

(باقی آئندہ)

سفید پرندے

از مطیع اللہ درد

یہ 1951 کی بات ہے۔تعلیم الاسلام کالج ان دنوں لاہور میں تھا۔حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے کالج میں میرے ایڈمشن کے لئے مکرم جنید ہاشمی صاحب کو ٹیلیفون پر ہدایت فرمائی اور مجھے لاہور بھجوا دیا۔میں کالج جا پہنچا۔مکرم جنید ہاشمی صاحب نے داخلے کا فارم میرے سامنے رکھا اور کہا کہ تم صرف اس پر Sign کر دو باقی کام میں خود کر لوں گا۔بعد ازاں پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ سائنس کی بجائے آرٹس کے مضامین تمہارے مناسبِ حال معلوم ہوتے ہیں۔میں نے من مانی کی مگر جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔اور دو ماہ بعد ہی میں نے مضامین بدلنے کی درخواست دے دی۔حضرت میاں صاحب ؒ قادیان کے محلہ دارالانوار کے زمانے سے میری بچپن کی شرارتوں اور لغزشوں سے آشنا تھے۔انہوں نے مسکراتے ہوئے بخوشی مضامین بدلنے کی اجازت دیدی۔آپ کی راہنمائی اور آپ کا لطف واحسان میرے شاملِ حال رہا اور انتہائی خوش قسمتی تھی کہ 1955 میں ٹی آئی کالج ربوہ سے گریجویشن کرنے والے گریجویٹس میں، میں بھی شامل تھا۔پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے سائیکالوجی میں ماسٹرز کرنے کی توفیق بھی ملی۔اس کے بعد عملی زندگی میں کالج کے ماٹو "علم وعمل" کے جن ثمرات کا وارث بنا ان کا تذکرہ تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنی کتاب "AnAhmadiyya Muslim" میں قدرے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا میں خود کو انگلستان میں دیکھا تھا اور کچھ سفید پرندے پکڑے تھے اس کی تعبیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔خاکسار تین سال جزائر فجی اور نیوزی لینڈ میں رہنے کے بعد 1963 میں انگلستان پہنچا۔Mr.NevilWard اور ان کی ہونے والی اہلیہ جو برمنگھم کے ایک سکول میں پڑھاتی تھیں انہیں مختلف طریق سے اسلام کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملتی رہی۔دعوت الی اللہ کا یہ سلسلہ قریباً سال بھر جاری رہا۔چنانچہ 1971 میں یہ دونوں "سفید پرندے" محض خدا تعالیٰ کے فضل ورحم کے ساتھ بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے۔فالحمدللہ۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ نے انہیں ناصر Ward اور ولیہ قدسیہ کے ناموں سے نوازا۔مکرم ناصر Ward صاحب کی وفات چند ماہ قبل فرانس میں ہوئی ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قصّہ ایک پکنک کا

از عطاء القادر طاہر

تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لئے ابھی دو ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ ہوسٹل میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے دریائے چناب پر پکنک منانے کا پروگرام بن گیا۔یہ اکتوبر کے آخری ایّام تھے۔موسم کافی خوشگوار تھا۔کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا اور قافلہ دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔۔ایک دوست نے تجویز کیا کہ چلو پُل کے نیچے بنی ہوئی بُرجیوں کی طرف چلتے ہیں۔چنانچہ کشتیاں کھیتے ہوئے پُل کے نیچے جا پہنچے اور ایک بُرجی پر براجمان ہو گئے۔سوچا پہلے کھانے سے لطف اندوز ہو لیں پھر دیکھیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔کھانے کے بعد فیصلہ ہوا کہ کشتیوں کے کنارے پکڑ کر پانی میں ہاتھ پاؤں مارے جائیں۔ابھی ہم نے یہ کھیل شروع کیا ہی تھا کہ کنارے سے ملاحوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ایک ملاح اشاروں سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم پانی کے اندر نہ اتریں۔کچھ اچھنبا سا ہوا کہ آخر معاملہ ہے کیا؟ اس نے قریب آ کر کہا کہ اس جگہ پانی بہت گہرا ہے یہاں تیرنا خطرے سے خالی نہیں۔اس گہرے پانی میں مگر مچھ بھی پائے جاتے ہیں۔۔ہم نے سوچا کہ کیوں نہ پہاڑی کے اوپر جو چھوٹا سا مندر ہے اسے دیکھا جائے۔چنانچہ اس مندر تک جا پہنچے۔وہاں پہنچ کر دیکھا کہ پہاڑیوں کے درمیان میں سے دریا کا بہاؤ بہت خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔جب وہاں سے چلنے لگے تو کچھ پیاس کا احساس ہوا۔پُل کے قریب چائے کا ایک کھوکھا دکھائی دیا۔معلوم ہوا کہ صرف چائے ہی دستیاب ہے۔ہم نے کہا کہ ہمیں تو پیاس لگی ہوئی ہے۔"باؤ جی چائے پیاس کا بہترین علاج ہے" یہ الفاظ نسبتاً بڑی عمر کے ایک بزرگ نے کہے۔ہم نے سوچا کہ چلو چائے پر ہی گزارہ کرتے ہیں۔وہ صاحب کہنے لگے کہ میں اس علاقے کا کچھ تاریخی پس منظر بتاتا ہوں۔

مغل شہنشاہ بابر نے اپنی فوج کے ساتھ کلر کہار کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔کلر کہار میں تختِ بابری کے نام سے آج بھی اس کے پڑاؤ کا مقام موجود ہے۔جب وہ آگے بڑھا تو اس نے دریائے چناب کو اسی جگہ سے پار کیا تھا۔چنیوٹ میں اس کی ملاقات وزیر خان سے ہوئی جو ایک اچھا طبیب ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجے کا منتظم بھی تھا۔جہانگیر کی سلطنت کے آخری دنوں میں جب ملکہ نور جہاں بیمار ہوئی تو وزیر خان نے ہی اس کا علاج کیا تھا۔شاہجہاں نے وزیر خان کو پنجاب کا صوبیدار بھی مقرر کیا تھا۔لاہور کی مشہور تاریخی مسجد وزیر خان اسی دَور کی یادگار ہے۔مسجد وزیر خان تعمیر ہونے تک ہماری چائے ختم ہو چکی تھی۔چنانچہ ہم نے اس بزرگ ٹیچر کا شکریہ ادا کیا اور خدا حافظ کہہ کر واپسی کی راہ لی۔

جستہ جستہ

بوڑھوں کی یونین

(صدیق سالک کی پُرمزاح تحریر)

بوڑھوں کی یونین کا ایک اجلاس حال ہی میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے ایک نیم مردہ لاش کو چار بوڑھوں نے سہارا دے کر صدارت کی دھنسی ہوئی کرسی میں دھنسا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لبوں پر جنبش ہوئی جیسے وقت نزع کلمہ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن ایک کہنہ مشق بوڑھے نے وضاحت کی کہ صاحب صدر نے جلسہ کی کاروائی شروع کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس پر ایک اور بوڑھے نے بیٹھے بٹھائے چند آیات کریمہ کی تلاوت اس لہجے میں کی کہ گویا ان کی زندگی کی پہلی اور آخری تلاوت ہو۔ تلاوت کے دوران سانس پھولنے کے نتیجے میں بے ہوش ہوجانے کی وجہ سے جلسے کی کارروائی کچھ دیر کیلئے ملتوی کرنا پڑی۔

جلسہ دوبارہ شروع ہونے پر تقریروں کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے یونین کے سب سے نوعمر رکن 95 سالہ بوڑھے نے تقریر کا آغاز یوں کیا:

''مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ نئی نسل ہماری سرپرستی میں متواتر کوتاہی برت رہی ہے۔ بلکہ اس نے ہماری بہبود کے بہانے ہمیں بنیادی حقوق سے بھی محروم کر دیا ہے۔ اگر گھر میں کوئی مہمان آیا ہے تو گھر کے تمام افراد حتیٰ کہ خواتین کا بھی اس سے تعارف کروایا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں آمرانہ تنبیہہ کر دی جاتی ہے کہ بڑے میاں! ذرا اندر ہی رہنا باہر مہمان آئے ہیں۔ میں اس روز افزوں رجحان کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہوں کہ ہمیں بھی گھر میں باقی انسانوں جیسے حقوق دیئے جائیں''۔

اس کے بعد ایک اور مقرر اُٹھے۔ انہوں نے اپنی ہلتی ہوئی بتیسی کو نہایت اہتمام سے منہ میں فٹ کیا، عینک کا دھاگہ کس کر کان کے گرد لپیٹا اور فرمایا:

''میں بڈھوں کا یہ مطالبہ پرزور الفاظ میں دُہراتا ہوں کہ ہمیں دانتوں اور عینکوں کا ایک ایک سپیئر سیٹ دیا جائے تاکہ ایمرجنسی میں کام آسکے۔ مثلاً اگر دانتوں کا یہ سیٹ جس کے کنڈے گھس گھس کر ڈھیلے ہو گئے ہیں، میرے منہ سے عین وقت تقریر گر پڑے تو سوائے پھو! پھو! پھونک! ک! ک! رکے! کچھ سن.... آئی (سنائی) نہ دے.... دے تا (آخری جملہ ادا کرتے ہوئے واقعی سیٹ گر گیا)

اتنے میں ایک اور بڈھا کھڑا ہو گیا معلوم ہوتا ہے وہ دیر سے بھرا بیٹھا تھا۔ وہ اُٹھتے ہوئے یوں لڑکھڑایا جیسے پرانی گاڑی سٹارٹ ہوتے وقت لڑکھڑاتی ہے۔ اس بوڑھے کا مسئلہ خضاب تھا۔ اس نے تلخ لہجے میں کہنا شروع کیا وہ کیا سمجھتے ہیں کہ میک اپ صرف عورتوں کی ضرورت ہے جس پر قیمتی زرِمبادلہ خرچ کرنا جائز ہے۔ ہم بھی عورتوں کے خاوند رہے ہیں۔ ہمارے بھی حقوق ہیں۔ ہماری نگہداشت بھی ضروری ہے (داڑھی کو کھجلاتے ہوئے) یہ کوئی خضاب ہے؟ محفل میں بیٹھو تو ایک رنگ اور اٹھنے لگے تو دوسرا رنگ، یہ مسئلہ صرف میرا مسئلہ نہیں۔ رحیم داد کی مونچھیں دیکھ لو، ایک کالی اور دوسری بھوری کریم بخش کا چہرہ دیکھو الرجی سے کیا حال ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ فوری حل چاہتا ہے.....

اب ایک اور بے تاب بوڑھا جو غالباً تقریر کی تیاری کر کے آیا تھا سربلند ہوا۔ اس کے کفن جیسے سفید جوڑے سے کافور سے ملتی جلتی بُو آرہی تھی۔ اس نے وصیت کے انداز میں فرمایا: ''موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اگر ہے تو بھی ہمیں اس کی خبر نہیں۔ آج کل تو موت کا فرشتہ اتنا مصروف ہے کہ وہ بوڑھوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ اگر وہ مہربانی کرے تو قبر کے لئے جگہ حاصل کرنا مسئلہ بن جاتا ہے لہٰذا میں مطالبہ کرتا ہوں کہ قبروں کے پلاٹ الاٹ کر کے ہمیں فوراً ان کا قبضہ دلایا جائے۔ ہم دھنسی ہوئی چارپائیوں میں پڑے پڑے قبر میں لیٹنے کی کافی ریہرسل کر چکے ہیں ہمیں یا تو ہمارے اصل ٹھکانے پر پہنچایا جائے یا مصنوعی قبر سے نجات دلائی جائے''۔ رٹی ہوئی تقریر کا ایک حصہ بھول جانے کی وجہ سے فاضل مقرر نے پانی کا گلاس طلب فرمایا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد ان کے حافظے نے دوبارہ ساتھ دینا شروع کیا۔ انہوں نے تروتازہ لہجے میں دوبارہ فرمانا شروع کیا: ''ہاں! مجھے نئی نسل سے یہ بھی گلہ ہے کہ وہ اپنے لئے بنگلے اور کوٹھیاں تعمیر کروانے پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہے پھر اندرونی اور بیرونی زیبائش کیلئے پیسہ پانی کی طرح بہاتی ہے..... لیکن ہمارے مستقل ٹھکانے یعنی قبرستان کو دیکھئے۔ خود وہاں کے باشندوں کو اس سے خوف آتا ہے۔ ان کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جائے۔ (باشندوں کی نہیں بلکہ قبرستان کی) یعنی انہیں اتنا باغ و بہار بنا دیا جائے کہ اچھا بھلا انسان وہاں جانے کی خواہش کرنے لگے۔ اس سے ایک تو بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے میں مدد ملے گی دوسرے ہمیں بھی آنے جانے والوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ ہم اپنی قبروں کو اندر سے ''نیون لائٹ'' سے منور کرنے یا ائرکنڈیشنڈ کرنے کا مطالبہ نہیں کرتے۔ لیکن ہم غیر آباد جگہوں پر سنگ مرمر کی ایک فٹ مربع کی تختی کے سہارے گزارہ نہیں کر سکتے..... اگر ہمارے مطالبات پر ہمدردانہ غور نہ کیا گیا تو ہم مرنے سے انکار کر دیں گے اور نوجوانوں کیلئے متواتر سردردی کا باعث بنے رہیں گے''۔ آخر میں ایک بزرگ جو اپنے وقت میں استاد یا صحافی رہے تھے کہنے لگے:

''آج کے تمام رسائل اور اخبار اپنے قارئین کے مزاج اور ذوق کا خیال رکھتے ہیں'' بچوں کی دنیا''، ''بزم خواتین''، ''فلمی صفحہ''، ''کھلاڑیوں کا صفحہ'' وغیرہ لیکن بڈھوں کیلئے کوئی صفحہ مخصوص نہیں ہوتا۔ ان کی کوئی دنیا نہیں۔ ان کی کوئی بزم نہیں حالانکہ سب سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے پورا اخبار یا رسالہ ہم ہی پڑھتے ہیں۔ ہماری ضرورتوں سے بے توجہی کی واحد وجہ یہ ہے کہ آج کل کے رسائل و اخبارات پر نوجوانوں کا قبضہ ہے۔ لیکن میں ان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج کے بچے کل کے بڈھے ہیں۔ انہیں بھی ایک نہ ایک دن ہمارے مقام پر ہی پہنچنا ہے۔ بشرطیکہ انہوں نے اپنے انجام کو پہنچنے کیلئے کوئی شارٹ کٹ نہ ڈھونڈ لیا''۔

تھوڑی دیر کیلئے جلسہ ملتوی ہوا۔ وقفہ کے دوران بعض اراکین وہیں لیٹ گئے ایک دو نے خراٹوں کی عیاشی بھی کی۔ بعض نے صرف جی کھول کر کھانسنے پر اکتفا کی۔ کسی نے پانی اور کسی نے گولی وغیرہ سے اپنے آپ کو تازہ کیا۔

صدر گرامی کو، جو اس سارے ہنگامے کے دوران آرام دہ کرسی میں دھنسے رہے تھے، مشروب پیش کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اس خلاف معمول قناعت کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی تو پتہ چلا کہ موصوف جلسہ کی کاروائی شروع ہوتے ہی اس دارفانی سے رحلت فرما گئے تھے۔ (صدیق سالک: خالد دسمبر 1984ء صفحہ 33 تا 35)

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا!

''ہم شک پروپیگنڈے اور کسی کو تسلیم نہ کرنے کی بدعت کے اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ہم اب لوگوں کی نمازوں تک میں کیڑے نکال لیتے ہیں۔ مجھے ایک صاحب کسی کے بارے میں بتا رہے تھے کہ وہ قادیانی ہے۔ میں نے پوچھا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اس نے جواب دیا وہ بار بار کلمہ پڑھتا ہے اور ایسا کرنے والے لوگ قادیانی ہوتے ہیں۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا''

(جاوید چوہدری صاحب کے 14 جون 2012 کے کالم کا ایک اقتباس۔ از الفضل انٹرنیشنل 13 جولائی 2012)

ممبران سے گزارش

اگر آپ نے ابھی تک ممبرشپ کی سالانہ فیس اور نادار احمدی طلباء کیلئے رقم کی ادائیگی نہیں کی تو اس کارِ خیر میں تاخیر کیسی؟ جلد ادائیگی کی درخواست ہے۔ (سیکرٹری مال)

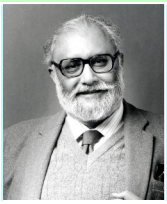

پاکستان کو آپ پر فخر ہے

(روزنامہ الفضل ربوہ 17 اکتوبر 2009ء میں شائع شدہ
مکرم ناصر خالد صاحب کا ایک مضمون)

ڈاکٹر سلام کے لاہور پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں فیض میموریل لیکچر دینے کا اعلان اخبارات میں ہوا تو فیض صاحب کی بیٹی پروفیسر سلیمہ ہاشمی اور داماد پروفیسر شعیب ہاشمی کے بقول یہ لاہور میں سائنس کا کھڑکی توڑ ہفتہ تھا کیونکہ ہوٹل کے ہال میں 800 لوگوں کی گنجائش ہے اور دس ہزار سے زیادہ لوگوں کو انکار کیا گیا ہے۔

اس لیکچر کیلئے سیکیورٹی کے خاص انتظامات کئے گئے تھے اور منتظمین بھی خاصے فکرمند تھے کیونکہ ڈاکٹر سلام کا پنجاب یونی ورسٹی میں لیکچر پر تشدد احتجاج کے باعث منسوخ کرنا پڑا تھا۔ بعد میں سلام صاحب لیکچر دینے جب اسلام آباد گئے تو پھر ہنگامہ آرائی کی گئی اور رینجرز اور پولیس کو ہوائی فائرنگ کرنی پڑی۔

اس پس منظر میں منتظمین کی تشویش بالکل بجا تھی لیکن خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوا اور پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کا پہلا اور شاید آخری پبلک لیکچر بہت عمدگی اور امن سے ہوگیا۔ جس پر فیض فاؤنڈیشن والے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے لیکچر دینے سے قبل فرمایا کہ (ڈاکٹر محبوب الحق (جنرل ضیاء کے وزیر خزانہ) نے کہا ہے کہ سلام پاکستان آنے سے ڈرتا ہے۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں پاکستان آنے سے نہیں ڈرتا بلکہ میرے دوست مجھے یہاں بلانے سے ڈرتے ہیں۔ اس بات پر ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔

ڈاکٹر سلام نے فیض میموریل لیکچر کے شروع میں کہا کہ جب یورپ میں میرے دوستوں کو علم ہوا کہ میں اس لیکچر کیلئے پاکستان جا رہا ہوں تو اُنہوں نے بہت حیرانگی کا اظہار کیا کہ سلام سائنس کا آدمی ہے اور فیض شعر و شاعری کی دنیا کا باسی اور حسن و عشق کی باتیں کرنے والا! دونوں عالمی شخصیات دو مختلف دنیاؤں کی رہنے والی ہیں تو ان میں قدر مشترک کیا ہے؟

ڈاکٹر سلام نے اس بات کا جواب یہ دیا کہ میں اور فیض دونوں دوسرے ملکوں میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اور دونوں ہی حکومت پاکستان کے نزدیک ناپسندیدہ اشخاص ہیں۔

سلام کی فیض سے بہت دوستی تھی۔ ایک دفعہ دونوں کو خراب موسم کی وجہ سے یورپ کے کسی ائیر پورٹ پر مجبوراً کئی گھنٹے رکنا پڑا تو اس موقع پر سلام کی فرمائش پر فیض نے اپنے ہاتھ سے اپنی مشہور نظم ؎

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کہ چلے

سلام کی ذاتی ڈائری پر لکھ کر دی۔

ربوہ میں ایک تقریب کے دوران پروفیسر منور شمیم خالد صاحب نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب سے دریافت کیا کہ نوبیل پرائز ملنے کے بعد دنیا کی کئی یونی ورسٹیوں نے آپ کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی ہے۔ آپ کس یونی ورسٹی کے استقبال سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں؟ تو سلام نے فوراً علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا نام لیا۔ تفصیل اس استقبال کی یہ ہے کہ سارا شہر اور یونی ورسٹی کے طلباء شہر سے کئی میل باہر استقبال کیلئے جمع ہو گئے۔ جب سلام کار میں وہاں پہنچے تو طلباء نے کار کا انجن بند کر دیا اور از راہ محبت و عقیدت گاڑی کو اپنے ہاتھوں سے دھکا دے کر یونی ورسٹی کیمپس تک لے کر گئے۔

ڈاکٹر صاحب کے پاکستان میں چار بہت عزیز شاگرد ہیں۔ ایک ڈاکٹر پروفیسر پرویز ہود بھائی جو قائد اعظم یونی ورسٹی اسلام آباد میں فزکس کے پروفیسر دانشور اور کالم نگار ہیں۔ دوسرے عزیز شاگرد ڈاکٹر پروفیسر مجاہد کامران ہیں جو آجکل پنجاب یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ تیسرے شاگرد ڈاکٹر پروفیسر غلام مرتضیٰ ملک اور چوتھے ڈاکٹر پروفیسر انیس عالم ہیں۔

پاکستان کی مختلف حکومتوں نے ڈاکٹر سلام سے احمدی ہونے کی بناء پر جو ظالمانہ اور ناروا سلوک کیا اُس کی تفصیل بہت دردناک ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں UNO کے ادارے یونیسکو میں ڈائریکٹر جنرل کی پوسٹ خالی ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ وہ اس پوسٹ پر فائز ہو کر تیسری دنیا اور پاکستان کی خدمت کریں۔ اس وقت کے پاکستان کے وزیر خارجہ جنرل یعقوب خان نے حکومتی پالیسی کے تحت انہیں نامزد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ حکومت پاکستان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک قادیانی ڈاکٹر سلام کو اس پوسٹ کیلئے نامزد کر سکے۔ اس پر اٹلی اور دنیا کے کئی دوسرے ممالک نے سلام صاحب کو اپنی شہریت کی پیشکش کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کی نامزدگی کے بعد دنیا کا کوئی دوسرا ملک اپنا نمائندہ نامزد نہیں کرے گا۔ آپ بلا مقابلہ منتخب ہو جائیں گے۔ مگر محب وطن اور پاکستانی سلام نے کسی اور ملک کی شہریت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

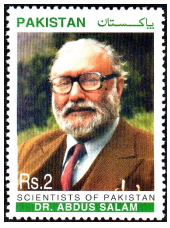

ٹریسٹے (اٹلی) کے آئی ٹی سی سینٹر کے بانی ڈائریکٹر کے طور پر ڈاکٹر عبد السلام نے 1964ء سے 1994ء تک انتھک خدمات سرانجام دیں۔ ریٹائرمنٹ پر آپ کے اعزاز میں جو پروقار الوداعی تقریب منعقد ہوئی اُس میں دنیا کے ہر خطہ سے سینکڑوں سائنسدان جمع ہوئے۔ اس میں دس نوبیل انعام یافتہ سائنسدان بھی شامل تھے۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ کر ڈاکٹر سلام کو ان کے علمی کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا۔ یہ افراد ڈاکٹر سلام کے سامنے آکر عقیدت سے سر جھکاتے اور الوداعی الفاظ ادا کرتے ہوئے انہیں سلام کرتے اور آگے گزر جاتے۔ اس خصوصی تقریب میں موجود ڈاکٹر پرویز ہود بھائی بیان کرتے ہیں کہ اس شاندار الوداعی تقریب میں کسی طرح ایک پاکستانی طالب علم نے اپنی باری پر جھک کر سلام صاحب کو سلام کیا اور عقیدت کے پھول پیش کرنے کے بعد کہا ''سر! میں پاکستان سے آیا ہوں اور پاکستان کو آپ پر فخر ہے۔'' اپنے پیارے وطن پاکستان کا نام سن کر ڈاکٹر صاحب نے کندھوں کا اچکایا۔ ان کا جسم کانپنا شروع ہو گیا۔ پاکستان کے لفظ نے ان کے وجود، ان کی روح اور دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کچھ لمحے بول نہ سکے اور بے اختیار آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں سے نیچے بہنے لگے۔ اس تقریب کی فضا غمناک اور افسردہ ہو گئی۔ اس وقت یقیناً ان کے دل میں یہ خیال گزرا ہوگا کہ وہ اس عظیم درسگاہ کو اٹلی کے بجائے اپنے وطن پاکستان میں کیوں قائم نہ کر سکے!

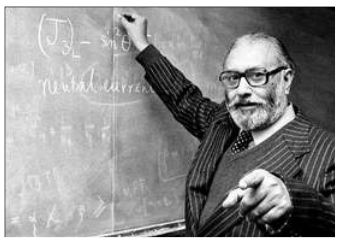

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی انڈیا کے پروفیسر احمد علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

عبد السلام ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے دنیا سے غربت اور جہالت مٹانے کی یہ تحریک ہے۔ علم و دانش کی، عمل و جفاکشی کی، اپنے تہذیبی ورثہ میں جائز فخر کی، طاقتور ممالک کے ظلم و استحصال کے خلاف جہاد کی۔''

آخر سلام کی جلاوطنی 1996ء کے آخر میں اس وقت ختم ہو گئی جب وہ بہشتی مقبرہ ربوہ میں اپنے بزرگ والدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

طاہر عارف صاحب کا انشائیہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

تدریس کے ساتھ مختلف مضامین کی سوسائٹیز کا جو نظام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جاری کیا ہوا تھا اس سے سٹوڈنٹس کی بہت ہی گرومنگ ہوتی تھی، علم میں اضافہ اور ذہنی جلا حاصل ہوتی تھی۔ ان غیر نصابی سرگرمیوں میں سے ایک کالج کا رسالہ المنار بھی تھا۔ مجھے اعزاز حاصل ہے کہ میں اس کے انگلش حصے کا ایڈیٹر رہا۔ اسے مکمل طور پر edit ہم خود ہی کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھار غلطیاں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ شائستہ مزاح کے ساتھ کبھی غیر شائستہ مزاح چھپ جاتا تو ڈانٹ بھی پڑا کرتی تھی۔ کبھی حضورؒ کی طرف سے بھی ڈانٹ آجایا کرتی تھی۔ تو جو لیکچرر رسالے کے انچارج ہوتے تھے ان کی شامت زیادہ آتی تھی اور ہم طلبہ کی کم۔ لیکن یہ تھا کہ Independence تھی تا کہ طلبہ کی ذہنی Development ہو۔

سپورٹس کے حوالے سے باسکٹ بال میں تو کالج کا ایک خاص مقام تھا۔ آل پاکستان ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹس جو ہوا کرتے تھے وہ کیا ہی ٹورنامنٹس تھے۔ ملک کی بہترین ٹیمیں اس میں آتی تھیں اور ایک عجیب رنگ ہوتا تھا اس کا۔ شام کے میچز بھی ہوتے تھے۔ مہمان ٹیموں کو ٹھہرانے کے لئے ہوسٹل کے سٹوڈنٹس اپنی چارپائیاں، اپنے بستر، سب کچھ دے دیا کرتے تھے اور خود زمین پر چٹائیوں وغیرہ پر سوتے تھے لیکن ان دنوں گھر کوئی نہیں جاتا تھا کیونکہ یہ ایک ایسا event تھا جسے کوئی miss کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں باسکٹ بال کی نرسری تعلیم الاسلام کالج ربوہ ہی تھا۔ اس کا برملا اظہار میں نے ہر لیول پر سنا ہے۔ آرمی کے سینیئر کوچز سے بھی اور سویلین سائیڈ پر بھی۔ چوہدری محمد علی صاحب تو پاکستان باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے عہدیدار بھی رہے۔ خدا کرے کہ پھر وہ زمانے آئیں کہ ربوہ میں یہ ٹورنامنٹ دوبارہ شروع ہو سکے۔

کالج میں اور بہت سی گیمز بھی چلتی تھیں۔ روئنگ، بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، ہاکی کے علاوہ ہائی کنگ کلب بھی ہوا کرتا تھا اور سٹوڈنٹس ہر سمر میں ہائی کنگ کے لئے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح مختلف سوسائٹیز کے تحت مطالعاتی دورے بھی ہوا کرتے تھے۔

کالج کے فضلِ عمر ہوسٹل کا اپنا ایک جدا رنگ تھا۔ اردگرد کے زمیندار اور ایسے لوگ جو احمدی بھی نہیں تھے اپنے بگڑے ہوئے بچے جب یہاں چھوڑ جاتے تھے تو سمجھتے تھے کہ ہم انہیں ایک اچھی تربیت گاہ کے سپرد کر آئے ہیں جہاں ان کا کردار عمل کے اعلیٰ سانچے میں ڈھل جائے گا۔

ہمارے زمانے میں ہوسٹل کے وارڈن مکرم چوہدری محمد علی صاحب اور سپرنٹنڈنٹ مکرم سعید اللہ خان صاحب ہوا کرتے تھے۔ ہوسٹل میں مکمل طور پر ایک ڈیموکریٹک سیٹ اپ تھا۔ ہوسٹل کے الیکشن ہوتے تھے اور میس اور کامن روم کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں کے لئے عہدیدار باقاعدہ elect ہوا کرتے تھے۔ مزے کی بات ہے کہ ہوسٹل میں Majoraty غیر از جماعت سٹوڈنٹس کی تھی۔ سو وہ بھی elect ہوتے تھے اور احمدی لڑکے بھی۔ اس میں کسی قسم کی کوئی discrimination نہیں تھی۔ اسی طرح وہاں پریفیکٹ اور چیف پریفیکٹ کا نظام بھی تھا۔ جب میں وہاں گیا تو مجھے اُس وقت کا ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے۔ ہوا یوں کہ جناب لطیف گجراتی صاحب (جو بعد ازاں آرمی میں بریگیڈیئر ہو کر ریٹائر ہوئے) ہوسٹل کے چیف پریفیکٹ تھے اور بہت ہی strict اور سخت گیر تھے۔ میں نے کالج کچھ لیٹ جائن کیا تھا۔ اس وقت دسمبر ٹیسٹ ہونے والے تھے اور دینیات کا مضمون کالج میں لازمی تھا، جو دیگر کالجوں میں نہیں ہوتا۔ "ہمارا خدا" نامی کتاب ہمارے کورس میں تھی جس میں سے ہمارا ٹیسٹ ہونا تھا۔ یہ کتاب اُن دنوں مارکیٹ میں دستیاب نہ تھی۔ چنانچہ ہمارے لیکچرر مکرم ہادی صاحب نے مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب یہ کتاب صبح کے وقت پڑھ لیں گے تو آفٹرنون میں تم ان سے لے کر ٹیسٹ کی تیاری کر لینا۔

میں جب کتاب لینے کے لئے ہوسٹل کے گیٹ پر پہنچا تو وہاں جناب لطیف گجراتی صاحب کرسی ڈالے ہوئے اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے اور ساتھ امتحان کی تیاری بھی کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے اندر جانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم اندر نہیں جا سکتے۔ میں نے کہا کہ اگر اندر نہیں جا سکتا تو مجھے روم نمبر 48 سے کتاب ہی لا دیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ میرا پیپر تھا اس لئے پریشانی میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا کہ چنیوٹ کے غیر از جماعت لڑکے ملے۔ انہوں نے کہا کہ ہوسٹل کے پیچھے جہاں تندور بنے ہوئے ہیں اُدھر سے چلتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ ہو لیا اور اس راہ سے کتاب تو حاصل کر لی مگر واپسی پر جب وہاں سے نکلے تو چوہدری محمد علی صاحب کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھا۔ وارڈن صاحب نے چنیوٹ کے ان لڑکوں کو جو ڈانٹا سو ڈانٹا مجھ سے بھی پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں تو صرف یہ کتاب لینے کے لئے آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس طرح کے بہانوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ یہاں پڑھنے آئے ہو یا آوارہ گردی کرنے؟ کیا نام ہے تمہارا اور کس کے بیٹے ہو۔ میں نے بتایا تو کہنے لگے اچھا تو تم مولانا عارف صاحب کے بیٹے ہو۔ شرم کرو! چلو بھاگو یہاں سے۔

میں چونکہ انگلش سکول سے آیا تھا جہاں لیڈی ٹیچرز پڑھاتی تھیں۔ وہاں ایسی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اس ڈانٹ کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا اور کچھ خوف بھی تھا چنانچہ اگلے روز پرنسپل مکرم قاضی محمد اسلم صاحب کے آفس میں جا پہنچا اور شکایت کی کہ ہوسٹل کے وارڈن نہ جانے کون صاحب ہیں انہوں نے مجھے اس قسم کے الفاظ کہے ہیں He has no right to say like this مکرم قاضی صاحب اُٹھے مجھے تھپتھپایا، گلے لگایا اور فرمایا ہاں ہاں آپ تو بہت اچھے ہیں میں انہیں ہی سمجھا دونگا۔

اتفاق سے چند دن بعد یہ دونوں حضرات ابا جان سے کسی جگہ اکٹھے ملے تو مکرم چوہدری محمد علی صاحب نے ابا جان سے کہا کہ "میں طاہر دے کن کھچّے سَن" اس پر قاضی صاحب نے فرمایا کہ "لیکن میں اودے کن چُھڑ اِدتے سَن"

بعد میں مکرم چوہدری صاحب کی بہت سی مہربانیوں اور نوازشوں کا زندگی کے ہر موڑ پر شاعری میں بھی اور ذاتی زندگی میں بھی مورد رہا ہوں حتیٰ کہ سی ایس ایس کرنے میں بھی مجھے اُن کی گائیڈینس حاصل رہی۔ چنانچہ میں نے مکرم چوہدری صاحب سے متاثر ہو کر کہ انہوں نے خلافت کا اس قدر پیار حاصل کیا ہے جو بہت بے مثال ہے، کچھ شعر بھی لکھے۔ کسی وقت چوہدری صاحب موجود ہوئے تو سناؤں گا۔ اللہ انہیں صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔

ہوسٹل میں ہمارا ایک سالانہ فنکشن میس نائٹ کے نام سے ہوا کرتا تھا۔ جس میں پرنسپل، اساتذہ، اور وارڈن وغیرہ سب کے ساتھ مذاق کی کھلی اجازت ہوتی تھی۔ ہم نے سن رکھا تھا کہ پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحبؒ کی گاڑی کا تذکرہ اس میس نائٹ کا ایک مستقل آئٹم ہوا کرتا تھا اور آپکی گاڑی کے بارے میں بنائی گئی قوالی "ساڈے سجناں دی ڈاچی کالے رنگ دی۔ کھڑ کھڑ کردی جدوں گلی وچوں لنگ دی" میس نائٹ کی جان ہوا کرتی تھی۔ اس تھوڑی سی چھوٹ کے علاوہ اساتذہ کی ریسپیکٹ اپنی جگہ تھی۔

اسی طرح ہوسٹل کی شرارتوں کے باوجود جہاں تک نمازوں کا تعلق ہے وہ بھی اپنی جگہ تھیں۔ لمبی لمبی اور خشوع و خضوع والی۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا تھا کہ لمبی نماز پڑھنے کا مقابلہ ہے۔ ہمارے سردار لطیف صاحب ہوا کرتے تھے۔ نماز میں ان کی گریہ وزاری اب بھی یاد ہے۔ یہی کہوں گا کہ ہوسٹل کے لڑکوں کی تمام شرارتوں کے باوجود نماز کا جو چسکا ہمیں پڑا وہ اسی ہوسٹل کے زمانے میں پڑا اور یہ چیز ہم نے وہاں سے ہی سیکھی۔

ہوسٹل میں نماز باقاعدگی سے ہوا کرتی تھی بلکہ ایک وقت میں تین تین نمازیں ہوا کرتی تھیں۔ احمدی لڑکے اپنی الگ نماز پڑھتے، سُنّی الگ اور شیعہ لڑکے اپنی جماعت الگ کروایا کرتے تھے۔ رواداری کا ایک عجیب منظر تھا۔ میں تو اسے ٹی آئی کالج سپرٹ کے نام سے یاد کرتا ہوں۔ کسی وقت بیٹھ کر اس سپرٹ کو ڈیفائن کرنا اور اسے پھیلانا چاہئے۔ یہ سپرٹ کیا تھی؟ بس یہی کہ باہمی پیار و محبت، بھائی چارہ، رواداری اور علم کا ایک خوبصورت مکسچر۔

اور بھی بہت سی باتیں ذہن میں ہیں، کچھ نوٹ بھی کی ہوئی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس نشست میں اتنا ہی کافی ہے ورنہ حصہ نظم کے لئے کچھ پیش نہ کر سکوں گا۔ بہرحال آپ کی سماعت کا شکریہ۔

شاہین میں ایک شام-استاذِ گرامی کے نام

(مکرم امتیاز احمد راجیکی صاحب کے خوبصورت مضمون میں سے چند منتخب شہ پارے)

قریباً ربع صدی کی مسافت کے اختتام پر وطنِ عزیز کے ہنگامی سفر کی تھکان اور جیٹ لیگ کا خمار ابھی اتر نہ پایا تھا کہ برادرِ عزیز راجہ ناصر کی پے در پے ای میلوں نے ناطقہ بند کر دیا:

''تعلیم الاسلام کالج کے بہی خواہو! فوراً بالٹی مور پہنچو۔'' ''شاہین'' ریستوران میں ایک عشائیہ ترتیب دیا گیا ہے۔ مورخہ ۱۸ مارچ ۲۰۱۲ بروز اتوار، ٹھیک پانچ بجے شام۔''

دو اڑھائی گھنٹے کا سفر طے کر کے میری لینڈ سٹیٹ کے سب سے بڑے شہر بالٹی مور کے نواح میں ''شاہین'' ریستوران پہنچے۔ کچھ انجانی سی جگہ محسوس ہوئی۔ اغلباً کسی حالیہ تبدیلی کا شاخسانہ تھا؛ وگرنہ 'شاہین' تو ہمیشہ کی طرح امریکہ میں پاکستانی روایات کا امین رہا ہے۔ اور خصوصاً اس کی بالٹی مور شاخ، برادرم عزیزم عبدالسلام کی سرپرستی میں مدتوں سے ادبی و سیاسی سرگرمیوں کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ کسی دور کے لاہور کے ''ٹی ہاؤس'' کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

آج کی تقریب خصوصیت سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے تحت پرانی یادوں کی تازگی اور ALUMNI کی حیاتِ نو کی تیاری تھی۔ ایسی ''حرکتوں'' کے روحِ رواں ہمیشہ کی طرح راجہ ناصر ہی تھے۔ جب سے راجہ ناصر امریکہ آئے ہیں، ہمیں یوں لگتا ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ہماری مٹھی میں آ گیا ہے۔ بھلے وہی علمی و ادبی محفلیں، وہی خامہ فرسائیاں، وہی دلنوازیاں۔ راجہ صاحب کا بس چلے تو ساری دنیا تعلیم الاسلام کالج کے سوا کچھ بھی نہ ہو ___ کیوں نہ ہو، اسی میں تو حقیقی سلامتی اور سچا علم ہے ___ تیقّن سے پُر، امن سے لبریز، امید سے بھرپور ___ معصیتوں اور جہالتوں کے لئے ضربِ کلیم ___ ایک پیغامِ نو۔

حسبِ روایت چند افتتاحی کلمات کے بعد راجہ ناصر نے مائیک محترم پرویز پروازی صاحب کے سپرد کر دیا کہ ''جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے''۔ ہم تو صرف ہمہ تن .... ہی ہیں۔

آپ نے اپنا موضوعِ سخن اپنے ایک معروف مقالے کو بنایا، جس میں تعلیم الاسلام کالج کے سٹاف اور اساتذہ کا ذکرِ خیر ہے۔ اور ایک صدی کی تاریخ کے سمندر کو فی الواقعی ایک کوزے میں بند کر کے دکھا دیا۔ پروازی صاحب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خداداد یادداشت اور فصاحت و بلاغت کا ملکہ حاصل ہے۔ کسی بھی وقوعے یا منظر کی نقشہ کشی وہ جس دقیق عرق ریزی اور باریک بینی سے کرتے ہیں، وہ اسے ایک جیتا جاگتا کردار بنا دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے ہم اس منظر سے فی ذاتہٖ گزر رہے ہیں۔ یہ منظر کشی ان نامساعد حالات کی ہو جس میں تعلیم الاسلام کا عظیم ادارہ پروان چڑھا، یا اس کم نظری اور تعصّب کی ہو جس میں اسے اُجاڑ دیا گیا۔ اساتذہ کی بے پایاں محبتیں ہوں، یا طلباء کی بے مثل وفائیں۔ منتظمین کے ان گنت جگراتے ہوں، یا مددگار کارکنوں کی بے لوث خدمتیں، پروازی صاحب کا حسنِ بیان ہر ایک کی کماحقہٗ عکاسی کرتا ہے۔ تاہم آپ کے بیان کا ایک معتدبہ حصہ اس ادارے کے روحِ رواں، بانی مبانی اس وجودِ پاک کے بابرکت تذکرے سے مرصع تھا، جس کا انگ انگ گویا اسی کے لئے وقف تھا۔ کالج کے در و دیوار، رگ و ریشے میں حقیقتاً اسی کا خون دوڑ رہا تھا۔ ہر تصویر میں اسی کا عکس اور ہر زاویے میں اسی کا جلوہ پنہاں تھا۔ یوں لگتا ہے، اس کا خمیر ہی تعلیم الاسلام کالج سے اٹھا اور اسی میں فنا ہو گیا۔

___ اور وہ وجود ہمارے محبوب آقا سیدنا حضرت مرزا ناصر احمدؒ کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ عوام الناس کی عمومی بہبود کے لئے کوششیں ہوں یا کالج اور طلباء کے خصوصی مفاد و مقاصد کے لئے تگ و دو، آپ کے اوصافِ حمیدہ کے ایسے ایسے گوشے اپنوں اور بیگانوں کی زبانی اس محفل میں بیان ہوئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے؛ کس طرح وہ وجود آغوشِ مادر وا کئے اپنے پروں کی گھنیری چھاؤں تلے دنیا کے دھتکارے ہوئے، مصائب و آلام کے جھلسے ہوئے حاجتمندوں کو پناہ دیئے ہوئے تھا۔ صرف تعلیم الاسلام کالج کے حوالے ہی سے اگر دیکھا جائے تو سیدنا حضرت مرزا ناصر احمدؒ کا وجود رحمت و رأفت کا ایک اتھاہ سمندر تھا جو خود اپنے وجود کو ڈبو ڈبو کر ان نگینوں کو چنتا اور اپنے عرقِ جگر کا خون کر کے سیپیوں میں چھپے ہوئے موتیوں کی طرح اپنی عطا و سخا کی آغوش میں علم و عرفان کے ان لعلوں کو پروان چڑھاتا۔

1968 کے موسمِ خزاں کی بات ہے۔ اردو کی پہلی کلاس کے دوران کالج ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مَیں بھگوڑے سٹوڈنٹس کی طرح درمیان میں دبکا بیٹھا تھا کہ کہیں پروازی صاحب کی نظر نہ پڑ جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے آپ کو اطلاع مل چکی تھی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تاریخ کی سب سے زیادہ نالائق کلاس کالج پہنچ چکی ہے، جس نے پستی و پسماندگی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ سکول میں سب سے کم نمبر لے کر اوّل آنے کا ''اعزاز'' چونکہ اسی ہیچمداں کے حصے میں آیا تھا، اس لئے منہ چھپا کر دبکے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا۔ مگر پروازی صاحب کی عقابی نگاہ سے بچ نہ پایا۔ فوراً ہی کچھ شعری و ادبی تابڑ توڑ حملے ہوئے۔ کچھ حوالے اپنے استاد مرحوم مصلح راجیکی کے شعروں کے دیئے، کچھ فانی بدایونی کے ساتھ آپ کی سوز و گداز میں مماثلت کا تذکرہ اس شعر و سخن سے ناآشنائے محض کی خجالت کا موجب بنا۔ اور اس طرح اردو کلاس کا پہلا ابتلا ٹل گیا۔

اگلے سال گرمیوں میں پروگرام بنا کہ اردو کلاس کو لاہور کی ''زیارت'' کرائی جائے اور اکابرین اردو کے ہاں حاضری دی جائے۔ شرط یہ تھی کہ بیس بیس روپے جمع کروا دو۔ یہ شرط بڑی کڑی تھی اور ہم ناخلفوں کے لئے بڑی بھاری بھی ___ مگر اب مَیں سوچتا ہوں کہ آج بیس لاکھ خرچ کر کے بھی وہ لمحے اور رتبے نہ پا سکتا۔ اس سفر میں اردو علم و ادب کی بعض بڑی بلند و بالا شخصیتوں سے بالمشافہ ملاقات ہوئی۔ ان کی پربصیرت گفتگو سے فیض پایا۔ ان کی شخصیتوں کے کئی نئے گوشے کھلے۔ ادبی و صحافتی اور تعلیمی اداروں کا بھی دورہ کیا۔ ''امروز'' کے دفتر میں جناب منّو بھائی سے ملاقات ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی میں وائس چانسلر جناب علامہ علاؤالدین صدیقی کی زیارت نصیب ہوئی۔ ''فنون'' کے دفتر میں جناب احمد ندیم قاسمی سے فیضِ صحبت پایا۔ جناب مولانا غلام رسول مہر اور جناب پروفیسر سیّد وقار عظیم کے دولت کدوں پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ان بزرگوں کی صحبت سے جو فیض پایا اور علمی و ادبی تشنگی دور ہوئی وہ ایک الگ داستان ہے۔

اگرچہ تعلیم الاسلام کالج کی عظیم درسگاہ کے در و دیوار ہم سے چھین لئے گئے۔ ''تعلیم'' اور ''اسلام'' کا نام ہمارے لئے جرم بن گیا؛ مگر یہ ظلم بذات خود ایک سبق بن گیا سوچوں پر قدغن لگانے والے اور ایمانوں کو بیڑیاں پہنانے والے سماج و قانون کے ٹھیکیداروں کے لئے جو آزادیٔ فکر و ضمیر اور اختیارِ مذہب و ملت سے کھیلنے کا پیشہ اپنائے ہوئے اس زعم میں غلطاں ہیں کہ ظلم و تعدی کا بازار اور اداروں کی لوٹ کھسوٹ کا یہ کاروبار دلوں سے ایمان و ایقان کے چراغ گل کر دے گا۔ انہیں کیا خبر کہ علم و عرفان کے جو دیوانے چراغ سے چراغ جلا کر دنیا سے جہالتوں کے اندھیرے دور کرنے کا عزم رکھتے ہوں، ان کا تکیہ اینٹوں پتھروں کے بلند و بالا ایوانوں اور سرکار کے خزانوں پر نہیں، دھڑکتے دلوں کی حدت میں ہوتا ہے ___ اور یہی وہ حدتیں ہیں جو ہمارے اساتذہ نے اپنے ہزاروں شاگردوں اور لاکھوں مداحوں کے دلوں میں پیدا کیں اور تعلیم الاسلام کالج کھو دینے کے باوجود، اس کے ماٹو ''علم و عمل'' کو ایک مقدس مشن کی طرح زندہ رکھا؛ تا عظمتِ کردار اور علم و عمل کی بلند ترین چوٹیوں پر نورِ عرفان کی جو کرنیں دکھائی دیں، وہ سب سے روشن تر ''تعلیم الاسلام'' کے ''المنار'' پر جگمگا رہی ہوں۔

''شاہین'' میں 18 مارچ 2012 کی وہ شام پروازی صاحب کے ساتھ ان حسین یادوں کی ایک اور یاد لئے ہمیشہ کیلئے یادگار بن گئی۔

آتا نہیں کوئی نظر اب ماسوائے دوست

(فاروق محمود-لندن)

تا زیست اس زبان پہ ہوں نغمہ ہائے دوست ◦ اور مستقل ہمیں ہو میسر لقائے دوست
نا گفتہ ہر حکایتِ دل ہے اُسی کے نام ◦ اور جو زبان کہہ سکے وہ بھی برائے دوست
ہر دم خیال و خواب کو حاصل ہو وصلِ یار ◦ روح و دِل و دماغ میں ایسے سمائے دوست
کیوں استعارے حُسن کے شمس و قمر بنیں ◦ اپنی مثال آپ ہے جب ہر ادائے دوست
اک انجمن ہے حُسن کی چاروں طرف یہاں ◦ آتا نہیں کوئی نظر اب ما سوائے دوست
جب تک نہ ذکرِ یار ہو بھائے نہ کوئی بات ◦ ہر بات بے مزہ ہے نہ جب تک بتائے دوست
پھر بھی ہے حُسنِ یار کی ہر حُسن میں جھلک ◦ گو بے نقاب ہو کے نہ چہرہ دکھائے دوست
سُود و زیاں کی فکر سے آزاد ہو گئے ◦ جن کا ہے مدّعا کہ ملے بس رضائے دوست

سائنس کی دُنیا-ہگز بوسون

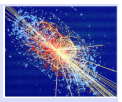

(آصف علی پرویز)

جولائی 2012 کی 4 تاریخ کو CERN لیبارٹری کے ڈائریکٹر جنرل نے دنیا کے بہترین اور نامی گرامی سائنسدانوں کی موجودگی میں یہ تاریخی اعلان باقاعدہ طور پر کر دیا کہ ہم نے بالآخر "خدائی ذرّہ" تلاش کرلیا ہے۔ یہ "سب اٹامک ذرّہ" یا لطیف عنصر کیا ہے عام آدمی کو تو شاید اس کی اہمیت کا احساس نہیں مگر سائنس کی

دنیا اسے اس صدی کی سب سے بڑی دریافت قرار دے رہی ہے۔ جسپر اس تھیوری کے خالق پروفیسر پیٹر Higgs کو فزکس کا نوبل پرائز دیا جائے گا۔ یہ ایک تاریخی سنگِ میل ہے مگر یہ ایک آغاز بھی ہے جس سے سائنس ایک بڑی دریافت کی دہلیز پر پہنچ گئی ہے۔ پروفیسر Higgs کا کہنا ہے کہ حیرت ہے کہ سائنسدانوں نے میری زندگی میں ہی یہ کامیابی حاصل کرلی ہے جبکہ چالیس برس قبل تو ان کو شاید یہ بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ سوشل اور الیکٹرانک میڈیا میں اس بات کا اظہار بھی کیا جارہا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے وہ بنیاد فراہم کردی تھی جس نے اس بوسون کی دریافت کو ممکن بنا دیا۔

سائنسدان ایک عرصے سے اس کھوج میں تھے کہ آخر مادہ (matter) وزن اور کمیت (mass) کیسے حاصل کرتا ہے؟ اس تعلق میں پروفیسر Higgs نے جو نظریہ پیش کیا تھا اسے ثابت کرنے کے لئے 2 پروٹان ذروں کو مقناطیسی طاقت کے زور سے روشنی کی رفتار کے ساتھ ایک پتلی دھات سے ٹکرایا گیا۔ جس کے نتیجے میں تشکیلِ کائنات کے وقت (Big Bang نامی) عظیم دھماکے جتنی طاقت پیدا ہوئی۔ اس تجربے کے دوران سائنسدانوں نے اپنے کمپیوٹر ڈیٹا میں ایک اٹھان دیکھی۔ یہ ایسا ذرہ تھا جس کا وزن ایک سو پچیس اعشاریہ تین گیگا الیکٹران وولٹس تھا۔

اس ٹکراؤ کے نتیجے میں جو ذرات پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ایک Higg,s Boson ہے۔ وہ سائنسدان جو خدا کو نہیں مانتے انہوں نے ہی اسے God,s Particle یعنی الوہی ذرّے کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ وہ خدائی ذرّہ ہے جس نے تخلیقِ کائنات میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ ذرّہ ہر ایٹم کے مرکز میں موجود پروٹان سے 133 گنا وزنی ہے۔ گویا اسے بنیادی ذرّات کی ماں کہا جاسکتا ہے۔

سائنسدانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس ذرّے کی دریافت کے بعد کئی اور بنیادی ذرّات بھی ڈھونڈ نکالے جائیں گے۔ اور جب ایسا ہوگا تو سائنس کائنات کی تخلیق کے نظام کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہوجائے گی اور اس بات پر بھی مجبور ہوجائے گی کہ اس کائنات کا کوئی خالق بھی ہے اور وہ وہی ہے جو ہمارا زلی و ابدی اخدا ہے۔ وہی جو **تبارک اللہ احسن الخالقین** ہے۔

تعلیم الاسلام کالج
اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران

قسط سوم

عبدالباقی ارشد
عرصہ تعلیم 1952-1953ء

شمس الحق
عرصہ تعلیم 1970-1973ء

عدنان محمود
عرصہ تعلیم 1984-1987ء

نثار محمد خان
عرصہ تعلیم 1957-1959ء

آصف علی پرویز
عرصہ تعلیم 1965-1971ء

عطاء الحق
عرصہ تعلیم 1995-1997ء

وسیم باری
عرصہ تعلیم 1981-1986ء

رانا عبدالرزاق
عرصہ تعلیم 1969-1970ء

مبارک احمد صدیقی
عرصہ تعلیم 1985-1986ء

عمران احمد عامر
عرصہ تعلیم 1993-1997ء

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر "المنار" میں

باہمی تعارف کو وسعت دینے اور ریکارڈ کا حصہ بنانے کی غرض سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر المنار میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جا چکا ہے۔ ممبران سے گذارش ہے کہ اپنی تصویر اور تعلیم الاسلام کالج میں عرصہ تعلیم کی تفصیل بذریعہ ای میل یا بذریعہ ڈاک مجلس ادارت کو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔